اور حدیث سے مستنبط ہو۔

اس آئیڈیالوجی سے اسلام کے فلسفۂ تاریخ یا فلسفۂ تجدید کے اصول مستخرج کئے جائیں اُس کے بعد دیکھا جائے کہ اسلامی سماج کی معاشرتی تاریخ ان اصولوں کی کارفرمائی کی کہاں تک شہادت دیتی ہے، پھر فہم کتاب وسنّت کے ضمن میں اگر اُن بزرگوں کے اقوال کو بھی درخورِ اعتنا سمجھا جائے جنہیں فہم قرآن وحدیث کے ہم سے زیادہ مواقع حاصل تھے اور جن کی مساعی علمیہ سے اسلامی تعلیمات کا صحیفۂ ہدایت مدون ہوا اس طرح اس سلسلے میں حسب ذیل سوالات ہمارے سامنے آتے ہیں:

اوّلاً:— اسلام کے فلسفۂ تاریخ کے اصول کیا ہیں اور اس کے اصولی نظریات سے کس طرح مستخرج ہوتے ہیں؟

ثانیاً:— تاریخ اسلام سے اس فلسفۂ تاریخ کی کہاں تک تائید ہوتی ہے؟

ثالثاً:— اس فلسفۂ تاریخ کے متعلق علماء ومفکرینِ اسلام کا کیا رجحان رہا ہے؟

سطورِ ذیل میں انھیں سوالات کا جواب دینے کی کوشش کی گئی ہے۔ یہ مسئلہ بہت اہم ہے میں صرف راستہ کی نشاندہی کر رہا ہوں اس اہم کام کو تکمیل تک پہنچانا اہلِ علم کا منصب ہے، میں نے صرف پانچویں صدی تک کی اسلامی تاریخ کے باب میں اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے، وہ حضرات جو اس کے اہل ہیں اسے اتمام تک پہنچائیں۔

## ۱۔ اسلام کا فلسفۂ تاریخ

اسلام ایک مکمل نظامِ حیات ہے جو اپنے متعارف معنوں میں تو صرف ساڑھے تیرہ سو برس سے ہے لیکن حقیقی معنوں میں ہبوطِ آدم سے دنیا کے نظم وانتظام کے لئے نافذ ہے اور تا قیامِ قیامت قائم رہے گا۔

اس فلسفۂ تاریخ کو سمجھنے کے لئے اسلام کی آئیڈیالوجی کو ذہن میں مستحضر رکھنا چاہئے۔ خلّاقِ کائنات نے کائنات کو عموماً اور انسان کو خصوصاً عبث وباطل پیدا نہیں کیا بلکہ ایک بلند نصب العین

اور پاکیزہ مقصد کے حصول و تحقق کے لئے خلق فرمایا ہے یہ مقصد تخلیق قرآن کے منشا کے مطابق "تعبد الٰہی" ہے چنانچہ قرآن کہتا ہے ——— وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ

لیکن طریق عبادت کی تفصیل نیز ایسا ماحول برقرار رکھنے کے عملی قواعد جہاں عبادت خداوندی کے لئے یا بلند مقصد تخلیق کے لئے تحقق کے لئے ضروری مواقع میسر اور مضر موانع مرتفع ہوں، ایسی تفصیل عبادت اور منظم ضابطۂ حیات کی دریافت سے عقل انسانی قاصر ہے۔ لہذا رحمت خداوندی نے محض اپنے فضل وکرم سے اپنے بندوں کی رہنمائی کے لئے اپنے برگزیدہ بندوں کو صحیفۂ ہدایت اور پیغام اصلاح دے کر بھیجا۔ ان مقدس ہستیوں کو رسول کہتے ہیں چنانچہ قرآن پاک فرماتا ہے۔

"کَمَا اَرْسَلْنَا فِیْکُمْ رَسُوْلًا مِّنْکُمْ یَتْلُوْا عَلَیْکُمْ اٰیٰتِنَا وَیُزَکِّیْکُمْ وَیُعَلِّمُکُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ وَیُعَلِّمُکُمْ مَّا لَمْ تَکُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ"

دوسری جگہ ارشاد باری ہوتا ہے۔

لَقَدْ مَنَّ اللّٰہُ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ بَعَثَ فِیْھِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِھِمْ یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ اٰیٰتِہٖ وَیُزَکِّیْھِمْ وَیُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ وَاِنْ کَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ۔

ان رسولوں میں آخری رسول جناب محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں جن پر سلسلۂ نبوت ختم ہو گیا پس اختتام رشد و ہدایت کے سلسلے میں دو کام کئے گئے۔

۱- اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری رسول کے ذریعہ ایسا صحیفۂ ہدایت بھیجا جو رہتی دنیا تک سماج کے نئے پرانے تقاضوں کو پورا کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے چنانچہ قرآن کہتا ہے:-

"اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا"

۲- تقلبات دہر و مرور ایام سے سماج کے مزاج اور ہیئت میں جو فساد پیدا ہوتا ہے اس کی نباضی اور ازالہ کے لئے تجدید امت کا انتظام کیا گیا۔

ظاہر ہے نبوت جناب نبی کریم علیہ تحیۃ و تسلیم پر ختم ہو گئی۔ اب اگر ملت اسلامیہ میں کسی بنا پر ضعف پیدا ہوتا ہے تو اس کے ازالے کے لئے کوئی نبی تو مبعوث ہوگا نہیں۔ صرف مخصوص افراد